قاسم العلوم

یعنی مکتوبات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

انوار النجوم

از پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی

ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار لاہور

toobaa-elibrary.blogspot.com

قاسم العلوم

مع اُردو ترجمہ

انوار النجوم

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی دارالعلوم دیوبند کے فارسی میں مجتہدانہ علمی خطوط
جو معرفت ربانی اور کشفیات الہامی کا مرقع اور جلوۂ
قدرت کا شاہکار ہیں۔ مع اردو ترجمہ و حواشی

مترجمہ
پروفیسر محمد انوار الحسن صاحب شیرکوٹی
۱۲۹۔ڈی پیپلز کالونی لائلپور

پبلشرز
ناشران قرآن لمیٹڈ۔ ۳۸۔ اردو بازار۔ لاہور
فون: ۶۸۵۸۱

تاریخی یادداشتیں

۱۔ نام کتاب — قاسم العلوم

۲۔ مصنف — فارسی مکتوبات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ نام ترجمہ — انوار النجوم

۴۔ مترجم مکتوبات — پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی

۵۔ ناشر — ناشران قرآن لاہور

۶۔ کاتب — منشی احسان و منشی علم الدین صاحب

۷۔ تعداد — ایک ہزار

۸۔ سال طباعت — ۱۳۹۴ھ ، ۱۹۷۴ء

۹۔ قیمت

ملنے کا پتہ

۱۔ ناشران قرآن لمیٹڈ، ۳۸۔ اردو بازار لاہور

فون ۶۸۵۵۱

۲۔ ڈاکٹر انصار الحسن ناظم مکتبۂ انوار

حمایت اسلام پریس لاہور

مطلب خاتم النبیین

بشنو۔ وصفت پاک شہ لولاک بیانی کہ می فرمایند حضرت خاتم النبیین و در جائے ارشاد است اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ معنی حضرت خاتم النبیین در نظر ظاہر پرستاں ہمیں باشد کہ زمانہ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم آخر است از زمانہ گذشتہ و باز ہیچ دیگر نخواہد آمد۔ مگر پیدا است ایں معنی نیست کہ مدحی ست و دراں مدحی۔ باز با جملہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ ایں معنی را چہ علاقہ کہ ازاں استدراک فرمودہ، فرمودند وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔

سنو۔ شہ لولاک پاک کی صفت میں اللہ تعالیٰ ایک جگہ خاتم النبیین فرماتے ہیں اور ایک جگہ ارشاد ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ایمان والوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ "خاتم النبیین" کے معنی ظاہر پرستوں کے نزدیک تو یہی ہیں کہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم گذشتہ انبیاء کے زمانے سے آخر کا ہے اور اب کوئی نبی نہیں آئیگا۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ یہ ایک ایسی بات ہے کہ جس میں (خاتم النبیین) صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تو کوئی تعریف ہے اور نہ کوئی برائی ہے پھر "محمد صلے اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں" کے جملے کو اس معنی سے کیا تعلق کہ اس سے استدراک فرما کر فرمایا "لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں" (وہ سب نبیوں کے ختم پر ہیں) بیان القرآن۔

ل خاتم، بمعنی مہر، سورۂ بقرہ میں (خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی۔ (قرآن کریم) یہ لفظ ت کے زبر کے ساتھ ہے۔ خاتَم اور خاتِم سے مراد کسی قوم کے آخر میں ہونا۔ خَاتِمُ الْقَوْمِ وَخَاتَمُهُمْ وَخَاتِمَتُهُمْ۔ اسی میں کہا گیا خاتم النبیین کے معنی ہیں سب نبیوں کے ختم پر۔ یعنی آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ۲ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ۔ یہ آیت پارہ ۲۱ سورۂ احزاب رکوع ۱ میں موجود ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "مومن کا ایمان اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے اس نور اعظم کی جو آفتاب نبوت سے پھیلتا ہے۔ آفتاب نبوت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے بنابریں مومن اگر اپنی حقیقت سمجھنے کیلئے حرکت فکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر اسکو پیغمبر علیہ السلام کی معرفت حاصل کرنی پڑیگی۔ اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے۔ .... نبی کریم صلعم ہماری وہ ہمدردی اور خیر خواہانہ شفقت فرماتے ہیں جو ہمارا نفس بھی اپنی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے پیغمبر کو ہماری جان و مال میں تصرف کرنے کا زیادہ حق پہنچتا ہے جو کسی کو حاصل نہیں۔" مترجم۔ ۳ حضرت مولانا کی اس عبارت کا مطلب بہت واضح ہے وہ یہ فرما رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ذاتی اور نبوت زمانی دونوں ختم ہیں۔ نہ یہ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا بلکہ پہلے نبی بھی آپ ہی کی نبوت کا فیض ہیں۔ گویا نبوت بحیثیت مقام و مرتبہ بھی آپ پر ختم ہے۔ اور بحیثیت زمانہ بھی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ چنانچہ اگلی عبارت میں فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ مترجم۔ ۴ معنی خاتم النبیین اور ختم نبوت کے یہی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت آفتاب کے نور کی طرح ذاتی ہے۔ اور جیسا کہ آفتاب کا نور کسی اور سے حاصل نہیں ہوا اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی کسی اور نبی سے حاصل نہیں ہوئی۔ بلکہ دوسرے انبیاء آئینے کے مانند ہیں آفتاب سے نور حاصل کرتا ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے نور نبوت حاصل کرتے ہیں۔ گویا نبوت مکانی جب آپ پر ختم ہوگئی تو نبوت زمانی بھی ختم ہوگئی۔ چنانچہ اگلی عبارت میں فرماتے ہیں۔

"چوں ایں چنیں باشد آمدن نبی دگر بعد آں سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم خود ممنوع بود۔"

جب صورت حال یہ ہے کہ سارے انبیاء آپ کی نبوت سے مستفید ہیں تو آپکے بعد کسی دوسرے نبی کا آنا خود بخود نا ممکن ہے۔

لہذا یہ عبارت صاف بتلاتی ہے کہ مولانا آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم پر نبوت کو ختم قرار دیتے ہیں اور آپ کے بعد کسی اور نبی کے آنے کے ہرگز قائل نہیں۔ چنانچہ مناظرۂ عجیبہ میں تحریر فرماتے ہیں:- "بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں۔ جو اسمیں تامل کرے اسکو کافر سمجھتا ہوں۔" (مناظرۂ عجیبہ ص۱۴۳) چنانچہ تمام علمائے دیوبند کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا۔ مترجم

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں

اگر از من پرسی حقیقتش ایں است کہ نبوۃ دیگراں مستفاد از حضرت محمدی است صلے اللہ علیہ وسلم و نبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم در عالم اسباب مستفاد از نبوت دیگراں نیست پس چناں کہ نور قمر از آفتاب است و نور آفتاب از نور دیگر نیست بلکہ قصہ استفادہ اختتام یافت ہمچنیں نبوت دیگراں و نبوت نبی آخر الزماں را باید شناخت صلے اللہ علیہ وسلم و چوں ایں چنیں باشد آمدن نبی دیگر بعد آں سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم خود ممنوع بود بعد طلوع آفتاب تا غروب نور شفق چناں کہ حاجت نور کواکب و نور قمر نیفتد ہمچنیں بعد طلوع ایں آفتاب نبوت تا بقاء نور کلام اللہ کہ از فیوض اوست و مشابہ نور شفق است حاجت نور نبوۃ دیگراں نباشد۔ و میدانی کہ بعد انقطاع کلام ربانی ازیں جہان فانی آمدن قیامت تقدیر یافتہ ورنہ بشرط بقاء عالم آں وقت اگر نبی دیگر آید معاذ اللہ نبود۔

چوں ایں قدر دریافتی خود دانستہ باشی کہ ہمہ انبیاء از دریوزہ گراں در دولت احمدیہ اند صلے اللہ علیہ وسلم گر جملہ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ اگرچہ شخصیہ مینماید لیکن حکمش حکم کلی است چہ محمول قضیہ را بعنوان مشتق موضوع وابستہ اند۔ ایں وقت

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں

اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے پیغمبروں کی نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے فیضیاب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دنیا میں دوسروں کی نبوت سے فیضیاب نہیں ہے پس جیسا کہ چاند کی چاندنی سورج سے ہے اور آفتاب کا نور کسی اور نور سے نہیں ہے بلکہ حضور کو حصول فیض اور کسی سے حاصل ہونے کا معاملہ ہی ختم ہوگیا۔ اسی طرح دوسروں کی نبوت اور نبوت آخر الزماں کو سمجھنا چاہئے جب صورت حال یہ ہو تو پھر کسی اور نبی کا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنا خود بخود ممنوع ہو جاتا ہے اور باقی نہیں رہتا جس طرح سورج نکلنے کے بعد نور شفق کے ختم ہونے تک چاند اور ستاروں کی روشنی کی ضرورت نہیں پڑتی اسی طرح اس آفتاب نبوت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے طلوع ہونے کے بعد قرآن شریف کے نور باقی رہنے تک کہ آپ کے فیوض میں سے ہے اور نور شفق کے مشابہ ہے دوسروں کی نبوت کے نور کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور آپ جانتے ہیں کہ اس دنیا سے کلام اللہ کے اٹھ جانے کے بعد قیامت کا برپا ہونا اٹل طے شدہ بات ہے۔ ورنہ دنیا کے ہوتے ہوئے اگر کوئی اور نبی آئے تو معاذ اللہ نہیں۔ (مگر دنیا رہیگی نہیں لہذا کوئی نبی بھی نہیں آسکتا۔ انوار)

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب خود سمجھ لو کہ تمام انبیاء علیہم السلام محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے در دولت کے گدا ہیں لیکن جملہ النبی اولی بالمومنین اگرچہ شخصیہ معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا حکم ہر ایک پر ہے۔ کیونکہ قضیہ[۲] کے محمول (اولی بالمومنین) کو موضوع (یعنی النبی) کے اشتقاقی

---

۱ اس مثال میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے اور بھی وضاحت فرما دی کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ ساتھ ہی عقلی دلیل بھی پیش کی یا اسے تمثیل کہئے کہ آفتاب جب چھپ جاتا ہے تو اسکے بعد کی سُرخی میں بھی روشنی رہتی ہے لہذا کسی اور شعاع کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آفتاب نبوت گرچہ چھپ گیا مگر اسکی سرخی یعنی قرآن مجید باقی ہے۔ لہذا جب تک شفق کی طرح قرآن کریم باقی ہے کسی اور نبی کی ضرورت نہیں۔ ہاں جب قرآن کریم ہی اٹھ جائے گا تو پھر قیامت آجائے گی۔ لہذا آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب کے اعتقاد کے مطابق کوئی نبی نہیں آئے گا۔ سمجھئے۔ مترجم

۲ قضیہ علم منطق میں ایسے کو کہتے ہیں جس میں سچ اور جھوٹ کا احتمال ہو۔ جیسے زَیْدٌ قَائِمٌ (زید کھڑا ہے) ایک ایسا جملہ ہے کہ اس میں سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہے ہو سکتا ہے کہ زید کھڑا ہو اور ہو سکتا ہے کہ نہ کھڑا ہو۔ بہر حال منطق میں قضیہ اور نحو میں جملہ خبریہ ایک ہی سمجھئے۔ علم نحو میں زَیْدٌ قَائِمٌ میں زَیْدٌ مبتدا کہلاتا ہے اور قَائِمٌ خبر لیکن منطق میں زَیْدٌ موضوع اور قَائِمٌ محمول کہلاتا ہے۔ لہذا اگر یہ موضوع کوئی معین شخص ہو تو اسکو قضیہ شخصیہ کہا جاتا ہے "النبی" موضوع ہے اور اولی بالمومنین محمول ہے۔ نبی سے مراد شخص معین یعنی آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ہے لہذا یہ جملہ قضیہ شخصیہ ہوا۔ مترجم

این کلام بیش به آنست که گوید هٰذَا السَّیِّدُ الْحَسَنِیُّ وَالْحُسَیْنِیُّ مُسْتَحِقٌّ لِلتَّعْظِیْمِ وَالتَّکْرِیْمِ ازینکلام اگرچہ غرض تعظیم یک کس منتاز ایں سید منسوب باشد مگر ہر کہ ذوق فہم دارد می شناسد کہ استحقاق تعظیم دریں یک نیست بلکہ ہر سید یکہ باشد استحقاق ایں تعظیم دارد ہمیں سان اینجا باید شناخت

تفسیر اولیٰ در تفسیر اولیٰ با

عنوان تفسیر
کلمہ اولیٰ کی بحث

اقرب ست یا احب یا اولیٰ بالتصرف ایں معنی ثلاثہ اگر بغور دیدہ شود باہم ربط تلازم ست۔ اقربیت علت احبیت و اولویت است و ہریں سبب احبیت و اولویت از اقربیت جدا نیفتند۔ مگر قضیہ برعکس نیست چہ ایں مفہومات ثلاثہ بلا ضمیمہ خود بریں قدر شاہد اند کہ علت کیست و معلول کدام۔

عنوان (یعنی نبوت) کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ اس وقت یہ کلام اس بات کی مانند ہے کہ ہم کہیں کہ حسنی اور حسینی سید تعظیم و تکریم کا حقدار ہے۔ یہ کلام اگرچہ ایک خاص شخص حسنین کی عزت کے لئے لایا گیا ہے۔ مگر جو شخص ذرا سی بھی سمجھنے کی استعداد رکھتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس میں صرف ایک ہی سید کو تعظیم کا حقدار نہیں ٹھہرایا گیا بلکہ جو سید بھی ہو اس تعظیم کا حقدار ہے اس طرح یہاں بھی سمجھنا چاہئے

اولیٰ بالمومنین میں لفظ اولیٰ کی تفسیر

اولیٰ [1] اقرب کے معنی میں ہے یا احب یا اولیٰ بالتصرف کے۔

ان تینوں معنوں میں اگر غور سے دیکھا جائے تو آپس میں لازم [2] اور ملزوم کا تعلق ہے۔ اقربیت (زیادہ قریب) علت ہے۔ احبیت (زیادہ محبوب ہونے) اور اولویت (زیادہ مقدم ہونے) کی۔ کہ یہ دونوں یعنی احبیت اور اولویت اقربیت سے جدا نہیں ہوسکتیں۔ ہاں قضیہ برعکس اور اُلٹا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تینوں مفہوم اپنے ساتھ کسی دوسری چیز کو ملائے بغیر اتنی بات بتائیں گے کہ علت [3] کون ہے اور معلول کون

لہ :- یعنی نبی اپنی امت کے مومنین کی جان و مال پر ان سے زیادہ تصرف کا حق رکھتا ہے۔ مترجم

سکہ :- لازم، ملزوم، علت و معلول، سبب اور مسبب۔ جب ایک چیز کے ساتھ دوسری چیز کا ہونا ضروری ہو تو ان میں ایک چیز لازم اور دوسری ملزوم کہلاتی ہے۔ جیسے سورج کے نکلنے کے ساتھ دن کا ہونا لازم ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ سورج تو ہو اور دن نہ ہو۔ لہٰذا ان میں سے ایک لازم اور دوسرا ملزوم ہے۔ لازم اور ملزوم آپس میں جدا نہیں ہوسکتے لیکن سبب اور مسبب جدا ہوسکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ جب سبب ہو تو مسبب بھی ضرور ہو۔ جیسے بادل بارش کا سبب ہے۔ لیکن بادل ہو اور بارش نہ ہو یہ ممکن ہے۔ علت معلول میں بھی لازم و ملزوم کا تعلق ہے۔ جہاں علت ہوگی۔ وہاں معلول ضرور ہوگا۔ جیسے سورج اور دن۔ سورج دن کی علت اور دن معلول ہے۔ سورج یعنی علت سے معلول یعنی دن جدا نہیں ہوسکتا۔ مترجم

سلہ :- معلول کی جو تعریف اوپر گزر چکی اس کے علاوہ دوسرے لفظوں میں علماء نے معلول کو ان الفاظ میں آسان طور پر بیان فرمایا کہ معلول علت کا اثر ہوتا ہے۔ جیسے دھوپ سورج کا اثر ہے۔

مگر ہاں اگر در تعقل و تصور آن قریبیت مشار الیہا دقتی باشد
این معنا حل نتوان شد۔ بنا بر علیہ می نگارم کہ علت را می
توان گفت کہ از معلول خود بہ نسبت ذات معلول
ہم قریب تر است۔ چہ معلول خود تعقل ذات خود بی تعقل
علت نتوان کرد۔

وجہش این است کہ معلول را زیادہ از این تعریف
و تشریح نتوان کرد کہ اثری است از آثار علت۔ نور آفتاب
را کہ بر زمین افتد و در عرف ما دھوپ و در ھندی دھوپ گویند
اگر پرسند زیادہ از این چہ گویند کہ اثر آفتاب است
یا فیض او است۔ جواب مثل اَلرُّوْحُ مِنْ
اَمْرِ رَبِّیْ کہ بر سوال یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ
الرُّوْحِ ارشاد شد از ہمین قسم است و مَنْ
عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ
نیز از ہمین جا است۔ غرض کہ معلول یک معنی اضافی
باشد مثل فوقیت و تحتیت کہ تعقلش بر تعقل علت موقوف
باشد۔ اندرین صورت اگر معلول خود خواہد کہ خود را دریابد[3]
اول علت خود را دریابد باز خود را خواہد دریافت چون درین
حرکت علمی معلول را علت در راہ می افتد و ذات خود بعد از آن
می آید۔ اگر گویند العلة اقرب الی المعلول من
نفسہ بجا باشد۔ و بدانی کہ درین میدان
حرکت دیگر سوائے حرکت علمی یا انتقال فکری متصور نیست۔

مگر ہاں اگر مذکورہ قریبیت کے ۔۔۔۔ تصور کرنے
اور سمجھنے میں دشواری ہو تو یہ معاملہ حل نہیں ہو سکتا۔ اس
بنا پر میں لکھتا ہوں کہ علت کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ
اپنے معلول سے اپنے معلول کی ذات کی نسبت بھی
زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ معلول کا خود اپنی ذات کو سمجھنا
علت کے سمجھے بغیر نہیں ہو سکتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ معلول کی اس سے زیادہ تعریف
اور تشریح نہیں کر سکتے ہیں کہ فلاں علت کا اثر ہے۔ سورج کی
روشنی کو جو زمین پر پڑتی ہے جس کو ہمارے عرف میں دھوپ کہتے
ہیں اگر معلوم کریں تو اس سے زیادہ کیا کہہ سکتے ہیں کہ وہ
آفتاب کا اثر ہے۔ یا اس کا فیض ہے۔ [illegible]
روح کے بارے میں سوال کا جواب کہ "الروح من امر ربی" ہے[1]
کا ارشاد بھی اسی قسم سے ہے اور جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا
اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ بھی اسی طرح سے ہے[2] غرضکہ
معلول اضافی امر کی طرح ہے ایک نسبتی مفہوم ہوتا ہے۔
کہ اس کا سمجھنا علت کے سمجھنے پر موقوف ہوتا ہے۔ اس صورت میں
اگر معلول خود چاہے کہ اپنے آپ کو دریافت کرے تو پہلے چاہیئے
کہ اپنی علت کو دریافت کرے پھر اپنے آپ کو دریافت کرے گا۔
چونکہ اس علمی حرکت میں علت اپنے معلول کو راستے میں ملتی ہے اور
اپنی ذات علت کے بعد آتی ہے اس لئے اگر کہیں کہ علت معلول سے
اس کی ذات کی بہ نسبت زیادہ قریب ہے تو درست ہوگا
اور یقین معلوم ہے کہ اس میدان میں کوئی حرکت الٰہی ذہنی یا علمی

---

1 جس طرح سے [illegible] سورج کے نکلنے سے دھوپ [illegible] ۔ مترجم

2 یعنی انسان کے اپنے نفس کی معرفت علت ہے خدا کی معرفت کی جو معلول ہے۔ مترجم

3 ایک چیز دوسری چیز سے تعلق کے ساتھ جو حیثیت حاصل کرتی ہے اس کو نسبت کہتے ہیں۔ مثلاً ایک کمرے کے اندر چھت کی نسبت سے
نیچے اور فرش کی نسبت سے اونچی ہیں یہی نسبت کے تعلق کا مطلب ہے اور اس باہمی تعلق کی بنا پر جو الجھن [illegible] سمجھ میں آتی ہے۔
اس کو مفہوم نسبتی کہتے ہیں۔ مترجم

این قسم قرب در متبائنات[1] یا موصوفات و اوصاف که متن و اتصاف آنها قضیهٔ اتفاقیه باشد ممکن نیست۔ و در متبائنات بون بعید باشد و در اتفاقیات نیز تباین ماہیت و نفس حقیقة می بود۔ اگرچه در محل واحد چناں مجتمع شوند که زید و عمرو در مکان واحد یعنی حدود و اطراف یکے بدیگرے چسپد و نور و سایہ چناں بہم مقترن شوند مگر در ماہیت تباین ست۔ یکے با دیگرے علاقہ ندارد۔ ایں قسم قرب نیست که مصداق اقرب الیہ من نفسہ یکے بہ نسبت دیگرے باشد۔ اینجا نفس خود اقرب ست بلکہ قرب نیز اینجا حکم بعد دارد۔ واما قسم [illegible] الاشیا [illegible] اند بصورت مرتبی را با مومنان امت خود علاقۂ عینیة باشد و او شان را با او ربط معلولیة۔ و سابق دانستہ که انبیاء دیگر با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ربط دارند۔ نظیر این انبیاء دیگر چو آئینه که درمیان آفتاب و اندرون خانہا که

علمی حرکت اور فکری انتقال کے سوا متصور نہیں ہے۔ اور اس قسم کا قرب ایک دوسرے کی بالکل مخالف چیزوں[1] یا ان موصوفات میں اور ان کی صفات میں کہ ان کے متصف ہونے کا مدار قضیہ اتفاقیہ[2] پر ہو، ممکن نہیں ہے۔ ایک دوسرے کی مخالف چیزوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اور اتفاقیہ پیش آنے والے امور میں بھی ماہیت اور ذات اور حقیقت کا اختلاف ہوتا ہے اگرچہ ایک ہی مقام پر وہ اس طرح جمع ہو جائیں جیسا کہ زید اور عمرو ایک ہی مکان میں جمع ہو جائیں۔ یعنی ایک کی حد دوسرے کی حد سے مل جائیں۔ اور ان کا نور اور سایہ آپس میں ایک دوسرے میں پیوست ہو جائے لیکن اصلیت میں پھر بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ ایک کا دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس قسم کی نزدیکی قرب نہیں ہے کہ اپنی ذات کی بہ نسبت دوسرے کے زیادہ قریب ہوں۔

یہاں پر اپنی ذات زیادہ قریب ہے بلکہ قرب بھی یہاں

---

[1] متبائنات متبائن کی جمع ہے جس کے معنی مخالفت کے ہیں۔ یعنی وہ چیزیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہوں جیسے انسان اور گھوڑا۔ انسان گھوڑا نہیں ہوتا، گھوڑا انسان نہیں ہوتا۔ واضح رہے کہ علمائے منطق کے نزدیک کلیات میں چار قسم کی نسبتیں ہوتی ہیں (۱) نسبت تساوی (۲) نسبت تباین (۳) نسبت عام خاص مطلق (۴) نسبت عام خاص من وجہ۔

(۱) انسان اور ناطق: ان میں تساوی کی نسبت ہے۔ ہر انسان ناطق، اور ہر ناطق انسان ہوتا ہے۔ لہٰذا برابری کی نسبت ہے۔

(۲) انسان اور گھوڑا: ان دونوں میں تباین اور اختلاف کی نسبت ہے۔ انسان گھوڑا نہیں، [illegible]

(۳) حیوان اور انسان: ان دونوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ حیوان عام اور انسان خاص ہے۔ اس نسبت میں حیوان کا لفظ انسان پر بولا جا سکتا ہے لیکن ہر حیوان کو انسان نہیں کہہ سکتے۔

(۴) ابیض (سفید) اور حیوان: ان دونوں میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔ ابیض کا لفظ بعض حیوانوں پر بولا جا سکتا ہے۔ جیسے بطخ لیکن بعض حیوان ابیض نہیں ہوتے جیسے ہاتھی وغیرہ۔ مترجم۔

[2] قضیہ اتفاقیہ: گزشتہ حاشیے میں ہم بتا چکے ہیں کہ قضیہ دو قول کہلاتا [illegible] علم منطق میں قضیہ اتفاقیہ کی مثال یہ ہے۔ "اذا کان الانسان ناطقا فالحمار ناہق" جب انسان بولنے لگے تو گدھا بھی رینکنے لگے۔ گویا انسان کے بولنے کے ساتھ گدھا بھی بولنے لگے تو یہ اتفاقیہ بات ہے۔ مترجم

مقابل آفتاب نیافتند واسطہ میباشد مابین خاتم نبوة وافراد امم وواسطہ باشند ومیدانی کہ وصف نبوة کمالی ست از کمالات علمی کہ ہمچو ضحک وبکا وغضب وغیرہ اوصاف معلومہ دو مرتبہ دارد بالقوہ وبالفعل۔ مرتبہ بالفعل از معلولات موصوف بالذات تنہا نباشد اگر میباشد باقتران تحریکات اسباب خارجیہ میباشد اگر باور نداری بنگر قمر وآفتاب مستنیر اند مگر ایں استفادہ را ضرور نیست کہ درودیوار، خانہ وکاشانہ از نہہا بہرہ مند شوند وقتیکہ شمس وقمر از دائرۂ افق رخت بالا می کشند دریں حرکت ہر کہ مقابل آنہا می آید آنہا منور میگردد۔ وہر کہ مخفی آید نہ گردد چنیں مرئی گردیدن شمس وقمر استنارۂ مذکور را لازم نیست۔ ممکن ست کہ شمس وقمر منور باشند مگر بینندگان نگاہ بسوی آنہا نکنند یا در محاق و حجاب باشند۔ غرض تصدی اوصاف یا وقوع وصف دگر بان اوصاف ومحل آں افعال گردیدن کہ آں اوصاف قابل آں افعال ست لازم نیست۔

چونانکہ فعلیت منحصر دریں دو قسم ست و فعلیت ہر قسم کہ باشد از فیوض موصوف بالذات ست۔ لاجرم در نبوة کہ در انبیاء دیگر از فیوض حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ست۔ مرتبہ قوة ہم

دوری کا حکم رکھتا ہے۔ اور عقلمند کے لئے اشارہ ہی کافی ہے۔ اس صورت میں ہر نبی کو اپنی امت کے ایمان والوں کے ساتھ علیت[1] کا تعلق ہوگا اور امتیوں کو اس نبی کے ساتھ معلول ہونے کا تعلق۔ اور آپ نے پہلے جان لیا ہے کہ دوسرے انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی تعلق رکھتے ہیں۔ اس پر نظر کرتے ہوئے دوسرے انبیاء اس آئینے کی مانند جو کہ آفتاب اور گھروں کے اندرونی حصوں کے درمیان جو کہ آفتاب کے سامنے نہیں ہیں، واسطہ ہوتا ہے۔ خاتم نبوت یعنی محمد مصطفےٰ ﷺ اور اپنی امت کے لوگوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ وصف نبوت علمی کمالات میں سے ایک کمال ہے جیسا کہ ہنسی اور رونا اور غصہ وغیرہ۔ اوصاف معلومہ کے دو مرتبے ہیں (ایک) بالقوہ[2] (دوسرا) بالفعل[3]۔ مرتبہ بالفعل معلولات موصوف سے ذاتی طور پر تنہا نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا ہے تو اسباب خارجیہ کے متصل ہونے سے ہوتا ہے۔ اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو دیکھو کہ چاند اور سورج روشن ہیں۔ لیکن اس روشنی کے لئے ضروری نہیں کہ در و دیوار، خانہ وکاشانہ ان سے حصہ حاصل کریں جس وقت کہ سورج اور چاند افق کے دائرہ سے اوپر کو بلند ہوتے ہیں تو اس بلند ہوتے وقت جو کوئی ان کے سامنے آتا ہے وہ ان سے روشن ہو جاتا ہے اور جو سامنے نہیں آتا روشن نہیں ہوتا۔ اسی طرح سورج

---

[1] مطلب یہ ہے کہ امت کے لوگوں کے ایمان لانے کی علت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا ہے اور امت کا مسلمان ہونا نبی کی نبوت کا معلول اثر ہے۔ مترجم

[2] بالقوہ:۔ کسی میں کسی کمال یا صفت کا موجود ہونا اور خواہ ابھی اس صفت یا کمال کا اس شخص سے ظہور نہ ہوا ہو مثلاً کسی شخص میں سخاوت کا کمال موجود ہے اور اس کی طبیعت سخاوت کی طرف رجحان رکھتی ہے تو اگرچہ اس نے سخاوت کا کام نہ بھی کیا ہو لیکن طبیعت میں سخاوت کی قوت جوش مارتی ہے۔ اسی کا نام بالقوہ سخاوت ہے۔ مترجم

[3] **بالفعل:** ۔ جب کسی کا کوئی کمال یا وصف عمل میں ظاہر ہوتا ہے تو اس کو بالفعل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ مترجم

از فیوض باشد مگر مرتبہ قوۃ را میدانی کہ از لوازم ذوات اوشان است۔

ز از عوارض مفارقہ۔ چہ ہر نبوۃ اول ضرورۃ علم است و ثانیاً ضرورت ہمت و ارادہ و مرتبہ قوۃ این ہر دو صفت از لوازم ذاتیہ ارواح است۔ نظر بآ ارواح دیگر انبیا شعبہا روح پر فتوح محمدی صلی اللہ علیہ

اور چاند کا دکھائی دینا مذکورہ روشنی کے لئے لازم نہیں ہے ممکن ہے۔ سورج اور چاند روشن ہوں لیکن دیکھنے والے ان کی طرف نگاہ نہ رکھتے ہوں یا چاند اور سورج، محاق اور اوٹ میں ہو جائیں۔ غرض یہ کہ اوصاف کا دوسروں تک پہنچنا یا کسی اور وصف کا ان اوصاف پر واقع ہونا اور ان افعال کا محل بننا کہ وہ اوصاف ان افعال کے قابل ہیں ضروری نہیں ہے۔

جب فضیلت کا ظاہر ہونا ان دو قسموں میں منحصر ہے اور ہر قسم کا کام جو بھی ہو ذاتی طور پر موصوف کے فیوض کا نتیجہ ہے تو یقیناً دوسرے انبیاء کی نبوت میں حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان ہے۔ قوت کا مرتبہ بھی فیوض کا نتیجہ ہے، اگر مرتبہ قوت کو تم جانتے ہو کہ ان کی ذوات کے لوازم میں سے ہے۔

نہ جدا ہونے والے عارضی اوصاف کے لوازم میں سے۔ کیونکہ ہر نبوت کے لئے اول علم[1] کی ضرورت ہے اور دوسرے ہمت[2] اور ارادے کی ضرورت ہے اور ان دونوں صفتوں کا مرتبہ قوت روحوں کے

---

[1] نبوت کے لئے علم کی ضرورت کا ہونا واضح ہے۔ جب تک نبی کو دین اور شریعت کا پورا پورا علم نہ ہوگا وہ بندوں کی ہرگز ہرگز رہبری نہیں کر سکتا۔ الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان یا اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم، اور اسی طرح کی بہت سی آیتوں سے پیغمبروں اور انسانوں کے لئے علم کی ضرورت کی طرف وضاحتیں موجود ہیں۔ مترجم

[2] پیغمبروں کے لئے علم شریعت کے ساتھ دوسری چیز ہمت اور ارادہ ضروری ہیں۔ اگر پیغمبر میں ہمت نہ ہوگی تو مخالفین کا مقابلہ کرنا سخت دشوار ہوگا اور تبلیغ میں بے شمار تکالیف کے لئے ہمت کی سخت ضرورت ہے۔ اسی طرح پیغمبر میں عزم اور ارادے کی قوت بھی ضروری ہے۔ اسی لئے بعض پیغمبروں کو اولوالعزم من الرسل کہا گیا ہے۔ مترجم

وسلم باشند و ہمیں طور ارواح امتیانِ انبیاءِ پیشین شجہاے
ارواح ایشاں۔ و ازیں طرف ارواح ایں امت نیز از
فیوض محمدی ست صلی اللہ علیہ وسلم اگر فرق ست ہمیں
قدر ست کہ ارواح انبیاء پیش خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
بمنزلۂ قمر اند پیش آفتاب۔ و ارواح ایں امت بمنزلۂ انوار
زمین و دیوار۔ اندریں صورت نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم در جملہ
انبیاء و مومنین سابقین و لاحقین بالضرورۃ ساری باشد و
آں قوۃ علمیہ و عملیہ کہ قوۃ قابضہ گویا نسخۂ مرکب ازیں
دو بسیط ست۔ یکے از عطایاء محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
باشد۔

غرض سرمایۂ مالکیۃ دیگر اہل ایمان از آں
آں بادشہ دو جہان است و مابین آنسرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم و باقی ایمانداراں از انبیاء کرام
و امتیان ہماں نسبت ست کہ در آفتاب و قمر
و غیرہ اشیا ست کہ نور شاں بالعرض ست و
مستفاد از آفتاب کہ نورش بظاہر بالذات ست۔
یعنی اینجا نیز کمال علمی و عملی و موجبات مالکیۃ
یکطرف بالذات ست و یکطرف بالعرض و
میدانی کہ اوصاف عرضیہ اگرچہ در بادی النظر
از آں معروضات اعنی موصوفات بالعرض نماید۔

ذاتی لوازم میں سے ہے۔ اس پر نظر رکھتے ہوئے دوسرے
انبیاء کی روحیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح
پر فتوح کی شاخیں ہوں گی۔ اور اسی طرح پہلے انبیاء کے
امتیوں کی روحیں، ان کی روحوں کی شاخیں ہوں گی اور
اس طرف اس امت کی روحیں بھی فیوض محمدی صلی اللہ
علیہ وسلم سے ہیں۔ اگر کچھ فرق ہے تو صرف اسقدر
ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہلے انبیاء
کی روحیں آفتاب کے سامنے چاند کی مانند ہیں اور اس
امت کی روحیں، زمین اور در و دیوار کے انوار کی جگہ
ہیں، اس صورت میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء
اور اگلے پچھلے مومنین میں لازمی طور پر سرایت کرے گا۔
اور وہ قوت علمیہ اور عملیہ گویا کہ قوت قابضہ انہی دو علمی
اور عملی تنہا تنہا دو قوتوں کا ملا ہوا نسخہ ہے جو کہ محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کی بخششوں میں سے ایک بخشش ہے۔

غرض یہ ہے کہ دوسرے مومنین کی مالکیت کا
سرمایہ دو جہاں کے بادشاہ کی ملکیت ہے اور دوسرے
مومنین، جو کہ دوسرے انبیاء کے امتی ہیں ان کے اور سرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وہی نسبت ہے جو کہ سورج
اور چاند وغیرہ اشیاء میں ہے کہ ان کا نور عارضی ہے اور
آفتاب سے لیا گیا ہے کہ آفتاب کا نور ظاہری طور پر اس کا
اپنا نور ہے۔ یعنی یہاں بھی علمی اور عملی کمال اور مالکیت کے اسباب
ایک طرف تو ذاتی ہیں[1] اور دوسری طرف عرضی ہیں اور تجھے
معلوم ہی ہے کہ عرضی اوصاف اگرچہ ظاہری نظر میں اپنی
معروضات[2] یعنی عارضی موصوفات کی ملک معلوم ہوتے

[1] ذاتی اسباب جو صاحب کمال کی ذات میں اصلی طور پر ہوں۔ کسی سے عارضی طور پر نہ لئے گئے ہوں۔ مترجم

[2] معروضات وہ کہلاتے ہیں جن کو صفات عارض ہوتے ہیں۔ مترجم